Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکینہ نے پلیٹ اُٹھا کر نسیمہ کے آگے بڑھائی۔

"عم م م----" نسیمہ نے ذلی چباتے ہُوئے بند مُنہ سے آواز نکالی۔

"ڈیلشس۔"

"ویری گڈ،" شعیب نے کہا۔ "گھر میں بناتے ہیں؟"

"اپنی زمین پر،" اعجاز نے کہا، "ڈیرہ ہے۔ سب سامان وہیں پر ہے۔"

"گویا باقاعدہ کارخانہ ہے،" شعیب نے کہا۔ "دیکھنا چاہئے۔"

"ابھی چلتے ہیں، ذرا سورج نیچا ہو جائے۔" اعجاز نے کہا۔

"گرمی ختم ہونے میں نہیں آتی،" سکینہ نے کہا۔ "دھوپ کی تپش اُسی طرح ہے۔"

کمرے کی چوڑی سی کھڑکی کے راستے دھوپ داخل ہو کر آدھے فرش پر پھیلی ہوئی تھی۔ باہر ستمبر کی فضا مکمل طور پر ساکن تھی۔ اچانک ایک لمحہ ایسا آیا کہ سب کی باتیں ایک ساتھ رُک گئیں اَور کمرے پہ سکوت طاری ہوگیا۔ اُس ایک لحظے کے اَندر سرفراز کے دِل میں گویا یکبارگی کوئی کل کڑک کر کے سیدھی بیٹھ گئی اَور اُس کے بدن کی ساری کلیں ایک دوسری کے ربط سے یوں بے آواز ہو کر چلنے لگیں جیسے کوئی تازہ تازہ تیل دی ہُوئی متوازن مشین ہو۔ اُس لمحے میں سرفراز نے اپنی آنکھوں کے قریب دیکھا کہ نسیمہ پیڑھی پہ اس طرح سکون سے بیٹھی تھی جیسے ہمیشہ سے یہاں رہتی آئی ہو، اَور اُس کے دل کے سارے خوف، سارے وسوسے غائب ہو گئے اَور فرش سے لپٹی ہُوئی روشن دھوپ اُٹھ کر اُس کے دل پر پھیل گئی۔ اُس کا جی چاہا کہ وہ بے اختیار اُٹھے اَور نسیمہ کے پاس جا کر زمین پر بیٹھ جائے اَور کوئی عام سی، سادہ سی بات کرے، جیسے "سناؤ کیا حال ہے۔" دِل ہی دِل میں وہ اِس خیال سے مُسکرا اُٹھا۔ اگلے ہی لمحے باتوں کا دور پھر شروع ہوگیا۔ مگر اب اُس کا جی ٹھہر چُکا تھا، جیسے حفاظت میں آگیا ہو، دھک دھک کی تنگی مٹ گئی تھی اَور دِل کا علاقہ وسیع ہو گیا تھا، جس کے اَندر وہ ایسی آہستگی سے رواں تھا کہ کان لگانے پہ ہی سُنا جا سکتا تھا۔

"یہ بہت سارے کھانے آپ اکیلی پکائیں گی؟" نسیمہ پوچھ رہی تھی۔

"اَور کیا؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"چلیں میں آپ کا ہاتھ بٹاتی ہُوں۔"

"اوُں ہوں،" سکینہ نفی میں سر ہلا کر بولی۔ "آپ ان کے ساتھ ٹہلنے کو جائیں۔ سیر کرنے آئی ہیں، کام کرنے تو نہیں آئیں۔ جا کر زمین دیکھیں، میں سب کچھ کر لوں گی۔" سکینہ جو چار جماعتوں تک سکول میں پڑھی ہُوئی تھی، احتیاط کے ساتھ، رُک رُک کر نسیمہ سے بات کر رہی تھی، جیسے اُسے ڈر ہو کہ کوئی غلطی نہ ہو جائے۔

"بی بی تو بیس بیس بندوں کا کھانا اکیلی پکاتی ہے،" سرفراز بولا، "ہمارے ساتھ چلیں، آپ کو لالے کا کارخانہ دکھاتے ہیں۔"

سرفراز پہ سارا گاؤں فخر کرتا تھا۔ اُنہیں پتا تھا کہ پہلی بار اُس کے مہمان آئے تھے جو خُود بھی افسر تھے، جنہوں نے اپنی کار گلی کے باہر کھڑی کی تھی، اَور جن کے لِئے ملک اعجاز نے اپنی زمین پر دھریک اَور بکائن کے تین درخت گرا کر پھٹے کٹوائے تھے جن سے گلی کی نالی ڈھک دی گئی تھی تا کہ اُن کے پیر گندے پانی میں نہ پڑیں۔ گلی میں جو کوئی بھی سامنے آتا خاص اہتمام سے پہلے شعیب کے ساتھ اَور پھر سرفراز اَور اعجاز سے ہاتھ ملاتا، ہاتھ کو اپنے سینے پہ پھیرتا، اَور دیہاتیوں کے دستور کے مطابق کوئی بات کئے بغیر نسیمہ کو، جس کا دوپٹہ کندھوں پہ اَور سر ننگا تھا، کنکھیوں سے دیکھتا ہُوا رستہ چھوڑ کر گزر جاتا۔ گلی سے نِکلتے نِکلتے اُنہیں دس منٹ لگ گئے۔ دروازوں میں عورتیں اَور بچے کھڑے تھے، عورتیں مردوں کو کم اَور نسیمہ کو زیادہ دلچسپی سے دیکھ دیکھ کر اوڑھنیوں کی اوٹ میں مُسکرا رہی تھیں، جو اُن کا خوش آمدید کہنے کا اَنداز تھا۔ فورڈ کار کے گرد بچے جمع تھے۔ سورج ڈھل رہا تھا جب وہ ڈیرے پہ پہنچے۔

"اِن کڑاہوں میں رس اُبالا جاتا ہے،" اعجاز اُنہیں بتانے لگا۔ "یہ بیلنا ہے۔ اِس کو بیل کھینچتے ہیں۔ اِس وقت سب کام بند پڑا ہے۔ ابھی فصل میں رس آنا شروع ہی ہوا ہے۔ مہینے دو کے بعد اگر آپ آئیں تو اِس جگہ پر دِن رات زندگی کی ہلچل دیکھیں گے۔۔۔۔ یہ ہمارا ساتھی گل افروز خان ہے۔"

گل افروز نے، جو فوج میں سپاہی رہ چُکا تھا، بوٹوں کی ایڑیاں جوڑ کر سیلوٹ مارا۔ "ریٹائرڈ سولجر گل افروز خان، فرسٹ فورس رجمنٹ سر۔" شعیب نے فوجی اَنداز میں ہاتھ اُٹھا کر سیلوٹ کا جواب دیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"فوج میں تو یہ پتا نہیں کیا کرتا ہو گا،" اعجاز نے ہنس کر کہا، "گڑ کا کاریگر یہ ایک نمبر کا ہے۔ اصل میں ہم لوگ تو سب فالتو آدمی ہیں۔ گڑ بنانے کا کمال گل افروز کا ہی ہے۔ پچھلے سال کا کچھ سٹاک ابھی ہمارے پاس پڑا ہے۔ گل افروز، کمرے کھولو، صاحب کو دکھائیں۔"

گل افروز نے بھاگ کر کمرہ کھولا اور لالٹین جلائی۔ اعجاز، شعیب، حسن اور حسین اُس کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گئے۔ سرفراز عمداً پیچھے رہ گیا۔

"کمروں میں کیا ہے؟" نسیمہ نے پوچھا۔

"بڑی بڑی عجوبہ روزگار چیزیں ہیں۔"

"اچھا؟ کیا ہیں۔"

"گڑ کی بوریاں اُوپر نیچے رکھی ہیں۔"

نسیمہ ہنس پڑی۔

"چلیے ٹہل کے آتے ہیں۔" سرفراز نے کہا۔ "لالہ تو بور کر رہا ہے۔ اس کی زندگی گڑ بنانے اور یا اپنے لیبر یونین کے کام کے گرد گھومتی ہے۔"

کمروں کے عقب میں کچھ فاصلے پر مال بندھا تھا۔ دو بیل، ایک گائے، بچھڑا اور ایک بھینس۔ بھینس جگالی کر رہی تھی۔ اُن کے پاس اعجاز کا ایک مزدور بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔

"لیبر یونین؟" نسیمہ نے پوچھا۔

"ہاں۔ بڑے عرصے سے اِس کام میں لگا ہُوا ہے۔"

"اِس کام میں داخل کیسے ہوئے؟"

"کسی زمانے میں لالہ یہاں سکول میں پڑھایا کرتا تھا۔ غالباً وہاں ٹیچرز یونین سے اِبتدا ہوئی۔ اب تو ایک بڑی یونین کا سیکرٹری ہو گیا ہے۔ بڑی محنت کرتا ہے۔"

"ساتھ ساتھ زمینداری بھی کرتے ہیں، گڑ بھی بناتے ہیں؟"

"ہاں،" سرفراز آہستہ سے ہنسا۔

"خاصا عجیب سا کمبچر ہے۔" نسیمہ نے کہا۔

"ہے تو،" سرفراز نے جواب دیا۔ "سب کہتے ہیں کوئی ایک کام کرو، اُس پر توجہ دو، آرام سے بیٹھو۔ مگر لالے نے کبھی کسی کی بات نہیں مانی۔ دِن رات بھاگتا رہتا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیسے اس کے سر پر جن سوار ہیں۔ واقعی عجیب آدمی ہیں۔ مجھے تو اس کی سمجھ نہیں آتی۔"

مزدور حقہ ہاتھ میں لئے، نالی منہ سے نکالے بغیر، اٹھ کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ساتھ ہی گائے بھی نامانوس لباس والی عورت کو دیکھ کر ایک زور دار جنبش کے ساتھ اُٹھی اور آہستہ آہستہ ڈکرانے لگی۔ نسیمہ اُس پہ نظر رکھے، رستہ چھوڑ کر گزر گئی۔ سرفراز نے ہاتھ بڑھا کر گائے کے ماتھے پر پھیرا اور کان کے پیچھے کھجلی کی۔ گائے نے سر جھٹک کر موڑ لیا اور زور سے ڈکرائی۔

"آپ کو ویلکم کر رہی ہے،" سرفراز نے کہا۔

"میں خوب جانتی ہوں۔ ایک گائے نے ہمارے گاؤں میں ویلکم کرتے کرتے مجھے سینگ مار دیا تھا۔ اِس کا نشان آج تک میری پنڈلی پہ موجود ہے۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔"

"اصل میں اِن سے ڈریں تو یہ فوراً جان جاتے ہیں اور دلیر ہو جاتے ہیں۔"

"اگر ڈنگروں اور حیوانوں سے ڈر لگے تو کیا کریں؟"

"پتا نہ چلنے دیں۔ سینہ تان کے گزر جائیں۔"

"جی میدان جنگ میں آپ ایسے ہی کرتے ہیں؟"

"میدان جنگ میں حیوان ڈنگر وغیرہ تو نہیں ہوتے۔"

"اور کیا ہوتے ہیں؟" نسیمہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

سرفراز ہنس پڑا۔ "وہ دُوسری بات ہے۔ بہرحال، میں نے ابھی میدان جنگ نہیں دیکھا۔ آپ کا کونسا گاؤں ہے؟"

"اس کا نام بھولیکے ہے۔"

"وہاں بھولے لوگ رہتے ہیں؟"

"جی ہاں۔ اِتنے بھولے کہ وہاں کا بھولا چور مشہور تھا۔"

"واقعی؟"

"روایت ہے کہ بھولا چور لمبی قید کاٹ کر آیا تو اُس نے چوری ڈاکے سے توبہ کر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لی اَور ویرانے میں آ کر ڈیرہ لگا لیا۔ اپنی چوریوں کی کمائی اُس نے کِسی جگہ پہ دفن کر رکھی تھی۔ اُس سے بھولے نے کچُھ زمین خریدی اَور کھیتی باڑی کرنے لگا۔ اُس کی قسمت ایسی چمکی کہ بہت سی زمین خرید لی، مکان بنا لِئے اَور آٹھ دس شادیاں کر لیں۔" وہ ہنسی۔ "وہاں سے اِس گاؤں کی بنیاد پڑی۔"

"آپ لوگ بھولے چور کے ہاں کیسے پہنچ گئے۔"

"بھئی بھولا چور تو پُرانے زمانے میں تھا۔ ہمارے پردادا کو حکومت کی طرف سے ایک مربعہ زمین ملی تھی۔"

"آپ کے پردادا فوج میں تھے؟"

"جی نہیں۔ وہ شکاری تھے۔ یہ بھی روایت ہی ہے کہ وہ انگریز کلکٹر کو سور کا شکار کھلایا کرتے تھے۔ اُس نے خوش ہو کر جاتے ہُوئے اِس ویرانے میں اُنہیں زمین دے دی۔"

"گویا آپ بھی زمیندار ہیں،" سرفراز نے کہا۔

"زمیندار؟ ہم تو چھوٹے موٹے کِسان بھی نہیں ہیں۔ وہ تو پاپا آرمی میں چلے گئے تو کوئی بات بنی۔ پھر آرمی نے ہی مکان بنانے کے لِئے کینٹ میں پلاٹ دے دیا اور ہم شہر میں بس گئے۔ ورنہ آج ہم بھی اپنے رشتہ داروں کی طرح سبزیاں اگا کر گزارہ کر رہے ہوتے۔ زمیندار ہوتے تو پاپا کو ریٹائرمنٹ کے بعد نوکری کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ چھ سال سے ہم پیچھے پڑے ہیں کہ اِس پھٹ پھٹی کار کو بیچ کر نئی خریدیں۔ اِس کی نوبت ہی نہیں آتی۔"

نسیمہ کی آواز میں کِسی تاسف یا خُود ترسی کا شائبہ تک نہ تھا، ایک سیدھی سادی حقیقت کا بیان تھا اور لہجے میں خُود سامانی اَور فخر کی جھلک تھی۔

"کہاں پر ہے؟" سرفراز نے پوچھا۔

"گوجرانوالے کے قریب۔"

"آپ لوگ اب بھی وہاں جایا کرتے ہیں؟"

"کہاں جاتے ہیں۔ وہ ایک مربعہ بٹ بٹا کر ہمارے حصے کے چند کِلے رہ گئے ہیں، اَور ایک معمولی سا کوٹھا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ارے، آپ تو بالکل دیہاتیوں کی زبان بولتی ہیں،" سرفراز نے کہا۔

نسیمہ ہنسی۔ "ہماری بود و باش پہ مت جایئے۔ میں تو جٹی ہوں جٹی۔"

اُس کی اِس بات سے یکبارگی سرفراز کی آنکھوں کی فضا بدل گئی۔ اُس کو نسیمہ ایک الگ رنگ میں دِکھائی دینے لگی۔ وہ کماد کی نو عمر فصل کے کنارے کھڑے تھے۔ ہوا میں مٹی، گوبر، حیوانوں کے پسینے اَور سبز پتوں کی ملی جلی بو تھی۔ شام کے دُھندلکے میں اُس کے سامنے اُٹھے ہُوئے سینے، فراخ ماتھے، سیدھے بالوں، گھنی پلکوں اَور خمدار مضبوط پشت والی اِس لڑکی میں کوئی اِسرار نہ تھا، نہ ہی کوئی نزاکت تھی، مگر بلا کی کشش تھی۔ اندھیرا گہرا ہو کر اُس کے چہرے پہ پردہ ڈال رہا تھا اور سرفراز کو اُس کے نقوش کی اُبھری ہُوئی سطحیں ہی نظر آ رہی تھیں۔ اُس کا جی چاہا کہ کوئی روشنی ہو جس میں نسیمہ کی نئی شکل کو دیکھے۔ اچانک اُسے اپنے بچپن کا ایک بھولا ہُوا واقعہ یاد آیا جو اُس نے اپنے باپ کی زبانی سُنا تھا۔ اُس کا باپ دالان میں لیٹا کِسی کو بتا رہا تھا کہ اُس کی نوجوانی کے ایک دوست نے رات کے اندھیرے میں اپنی محبوبہ کا چہرہ دیکھنے کے لِئے ایک پورے کھیت کو آگ لگا دی تھی۔ پانچ سالہ سرفراز اپنے باپ کے پاس بیٹھا تھا۔ یہ واقعہ اُس کے ذہن سے قریب قریب محو ہو چُکا تھا، مگر اُسے اپنے باپ کی آواز ابھی تک یاد تھی کہ یہ قصہ سناتے سناتے اُس میں ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی اَور اُس کی آنکھوں کی چمک مدھم پڑ گئی تھی۔ سرفراز نے بے ساختہ ہاتھ بڑھا کر نسیمہ کے کندھے کو چھوَا۔ اُس کی انگلیوں کے پورے گول شانے پہ بس ایک لمحے کو ٹکے، پھر اُس نے ہاتھ گرا دیا۔ اسی ثانیہ میں، جیسے نسیمہ کو پتا ہو کہ سرفراز کا ہاتھ اُسے چھونے والا ہے، اُس نے سر موڑ کر کھلی کھلی آنکھوں والی بیباک نظروں سے سرفراز کو دیکھا، اَور اُس کے مُنہ سے ایک نہایت مختصر سی ہنسی پیدا ہوئی، جس میں شرماہٹ کی خفیف سی لہر تھی۔ پھر وہ پلٹی اَور کھیت کے کنارے تنگ سی بنی پر چلنے لگی۔

"واپس چلنا چاہئے،" وہ بولی۔ "لوگ ہمیں تلاش کر رہے ہونگے۔"

سرفراز نے چند ڈگ بھرے اَور اُس سے آگے نِکل کر تاریک بنی پر اُس کو راستہ دِکھاتا ہُوا واپس لے چلا۔

گھر پہ چاچا احمد آیا ہُوا تھا۔ اُس نے بڑے تپاک کے ساتھ شعیب سے ہاتھ ملایا اَور بے تکلفی سے نسیمہ کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہر وقت دُعائیں دیتا ہوں پتر" چاچے احمد نے شعیب سے کہا، "تو نے میرے اُوپر بڑا اَسان کیا ہے۔"

"عباس کا کیا حال ہے؟" شعیب نے پوچھا۔

"سکول میں ٹریننگ کر رہا ہے۔ وردی شردی چڑھا کر مہینے میں ایک دِن کی چھٹی آتا ہے۔ گاؤں میں بڑی عزت ہے۔ مگر روتا پیٹتا ہُوا آتا ہے، روتا پٹتا ہُوا جاتا ہے۔ پر میں اُسے گھر میں ٹکنے نہیں دیتا۔" پھر ہنس کر بولا، "جب آتا ہے اپنے سرفراز کے پیچھے غصہ دِکھانا نہیں بھولتا۔"

"کیا کہتا ہے چاچا؟" سرفراز نے پوچھا۔

"کہتا ہے میں نے منت کی تھی، مگر سرفراز نہیں مانا۔ مجُھے جب مل گیا اُس کی گردن مروڑوں گا" پھر چاچا شعیب کی جانب متوجہ ہو کر بولا، "اِن دونوں کی شروع کی جوڑی ہے۔ لنگوٹیئے ہیں۔"

"ویری اپراپریٹ،" شعیب نے زیرلب مُسکرا کر کہا۔

"واٹ؟"

"لنگوٹیا۔"

"او۔ یس۔"

دونوں ہنس پڑے۔

میز پر کھانا لگا۔ مرغ پلاؤ۔ گوشت کا شوربہ۔ تندروی پراٹھے، اَور سوجی کا حلوہ کھا کر سب صحن میں چارپائیوں پہ جا بیٹھے۔ نسیمہ نے تجویز کیا کہ سرفراز کی سالگرہ مناسب طور پر منانے کے لِئے کم از کم چند گانے ہی گائے جائیں۔ سکینہ پہلے شرماتی ہوئی چپکی بیٹھی رہی۔ مگر جب نسیمہ نے اپنی سادہ سی آواز میں گانا شروع کیا تو کُچھ دیر کے بعد سکینہ نے اُس میں آواز ملائی اَور ساتھ سرفراز، شعیب، اعجاز اَور چاچے نے تال دینی شروع کر دی۔ اب دونوں لڑکیاں خوشی کے، میلوں اَور شادیوں کے گیت گا رہی تھیں اَور چاروں مرد لَے کے ساتھ ملا کر تالی بجاتے جا رہے تھے۔ سرفراز اچنبھے کی حالت میں سوچ رہا تھا کہ شہر کے ماحول میں پلنے والی ایک فیشن ایبل لڑکی کو اتنے سارے دیہاتی گیت اَور اُن کے سُر کیسے یاد تھے؟ کیا وہ واقعی ایک جنّی تھی؟ اُس کی آواز میں کوئی جادو نہ تھا۔ مگر اُس کے لہجے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک بلاخیز لٹک تھی۔ سکینہ کی جھجک مٹتی جا رہی تھی اور اُس نے نسیمہ سے بھی اُوپر آواز اٹھانی شروع کر دی تھی۔ ٹھہری ہُوئی فضا میں ان کی لہکتی ہُوئی آوازیں دور تک جا رہی تھیں اور آس پاس کے گھروں کی عورتیں اپنے اپنے بستروں سے اُٹھ کر چھتوں پہ جمع ہونے لگی تھیں۔ سکینہ نے ہاتھ روک کر اُن میں سے دو ایک کو آواز دی۔ "ربو۔ رجو۔ آ کر حلوہ کھا لو۔" کچھ دیر کے بعد رابعہ اور رضیہ صحن میں داخل ہوئیں۔ اُن کے پیچھے پیچھے پھاتو مراثن ڈھولک اُٹھائے آ رہی تھی۔ "ہائے ڈھولکی،" سکینہ اور نسیمہ ایک ساتھ چیخیں۔ پھر کیا تھا، ڈھولک اور اُس کی لکڑی پہ روڑے اور ساتھ تالیوں کی لے پر پانچ تیز، طرحدار، رقصاں آوازوں میں گیت کے بعد گیت گائے جانے لگے اور کوٹھوں پر ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے۔ تین کنواری لڑکیوں کے خوابوں اور ایک بیاہی ہُوئی کی ان کہی خواہشوں نے ان سیدھی سادی آوازوں میں ایسی لہک پیدا کر دی تھی کہ سننے والوں کے دِل کو مچلاتی تھی۔ اُس موسیقی میں فن سے آگے کی کوئی بات تھی۔ بڑی بوڑھیوں سے لے کر بچوں تک منڈیروں پر کھڑے کھڑے تھک گئے تو آرام سے زمین پر بیٹھ کر تماشا دیکھنے لگے۔

آدھی رات تک یہ جلسہ لگا رہا۔ آخر جب گیتوں کا سٹاک ختم ہو گیا، ہر گیت دو دو، تین تین بار دُہرایا جا چُکا اور ایسا موقعہ آیا کہ لڑکیاں ایک دُوسری سے تکرار کرنے لگیں، "بھئی کچھ اور گاؤ۔" ---- "اور کیا گائیں، اور کچھ آتا ہی نہیں،" تو ڈھولک آہستہ آہستہ اپنی قدرتی موت مر گئی۔ رات بھیگ چکی تھی۔ چاچا احمد اُٹھا اور بے وجہ اپنے تہمد پر ہاتھ پھٹک پھٹک کر اُسے جھاڑنے لگا۔

"واہ بھئی واہ،" وہ بولا "ایسا جشن تو تیرے بیاہ پر بھی نہ ہو گا۔"

"ایسی بات نہ کر چاچا،" اعجاز نے کہا، "سرفراز کا بیاہ ایک زمانہ دیکھے گا اور یاد کرے گا۔"

"اِنشاء اللہ،" چاچے نے اُنگلی آسمان کو اُٹھا کر کہا۔ "اِنشاء اللہ۔"

"ملکانی، کوئی انام کرام ہی دے دے،" پھاتو مراثن بولی۔

"لے پھاتو، پہلے حلوہ تو کھا۔" سکینہ نے دوبارہ حلوہ گرم کر کے تینوں لڑکیوں کو دیا، جو اُسے انگلیوں میں اُٹھا اُٹھا کر کھانے لگیں۔

شعیب جو کچھ دیر سے ایک چارپائی پہ لمبا لیٹا ہُوا تھا، بولا "بھئی واقعی ایم ایس، میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کوئی پارٹی اِس طرح انجوائے نہیں کی۔ نہ سوٹ نہ بوٹ، نہ میز نہ کرسی، بیٹھتے ہو تو بیٹھو، جی کرے تو لیٹ جاؤ۔ اُوپر آسمان اَور ستاروں کی چھت۔ آآآ۔۔۔۔ دِس اِز لائف! تم خوش قسمت لوگ ہو۔" وہ اُٹھ کھڑا ہُوا۔ "چل یار سوئیں۔ مجھے تو کوئی بیس گھنٹے ہو گئے ہیں جاگتے ہوئے۔"

شعیب نے کہا وہ سرفراز کے کمرے میں سوئے گا۔ وہاں اُس کے لِئے چارپائی ڈال دی گئی۔ نسیمہ نے ضد کی کہ وہ تو سکینہ کے پاس چارپائی بچھا کر سوئے گی۔ آخر کو مہمانوں کے لِئے خاص طور پر تعمیر کئے گئے کمرے میں اعجاز اَور دونوں بچے سوئے۔ اُس سے ملحقہ غسل خانہ، جس میں پتھر اَور کوئلہ بھرے زمین دوز گڑھے کے اُوپر فلش سسٹم نصب کیا گیا تھا، صبح سویرے شعیب، نسیمہ اَور سرفراز کے اِستعمال میں آیا۔ ناشتے کے کچھ ہی دیر بعد شعیب اَور نسیمہ وہاں سے رخصت ہوئے۔ اُن کے جاتے ہی اعجاز نے ڈیرے سے آدمی بلوا کر لکڑی کے تختے گلی کی نالی کے اُوپر سے اُٹھوا کر صحن میں رکھوا لئے۔

"کبھی گھر میں کام آئیں گے،" اُس نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باب 11

اعجاز اپنے دفتر سے ملحقہ فوٹو گرافر کی دکان میں اُس کا ٹیلیفون استعمال کرنے کی غرض سے بیٹھا تھا۔

"ہیلو---- ہیلو---- میں میٹل ورکرز یونین کے سیکرٹری آفس سے بول رہا ہوں۔ چوہدری صاحب ہیں؟---- بھئی چوہدری انتصار صاحب ہیں؟ میں اسسٹنٹ سیکرٹری منظور بول رہا ہوں، سیکرٹری صاحب بات کریں گے----- بھائی صاحب، چوہدری اِنتصار صاحب موجود ہیں یا نہیں؟---- اُن کو فون دیں، ملک اعجاز صاحب بات کریں گے۔"

"ہیلو----" اعجاز نے فون ہاتھ میں لے کر دوستانہ لہجے میں کہا۔ "چوہدری صاحب، جناب آپ کہاں غائب رہتے ہیں۔ چار گھنٹے سے دنیا آپ کو تلاش کر رہی ہے۔ جی؟---- ہاں ہاں بھئی، ہم بھی تو جلسے کے بندوبست میں لگے ہُوئے ہیں۔ میرا آدمی آپ کا انتظار کر کر کے ایک گھنٹے بعد واپس آگیا۔ آپ نے کہا تھا کہ لسٹ بنا کر ہمیں بھیجیں گے کہ آپ کی کیا ریکوائیرمنٹ ہے، ہمیں کچھ وقت چاہیے، ہاتھ پر سرسوں تو نہیں اُگائی جا سکتی، ہمارے اَنتظامات سمجھئے کہ مکمل ہیں---- چوہدری صاحب ہمارے پاس اِس وقت کوئی بندہ فالتو نہیں ہے، صبح کے وقت تھا، مگر----- ہاں بھیج دیں، ٹھیک ہے---- دُرست ہے---- مگر ٹھیک ٹھیک اِنفریمیشن بھیجیں، یہ نہ ہو کہ----" جیسے جیسے اعجاز بات کرتا جاتا تھا اُس کے لہجے میں غیر محسوس طور پہ خُود اختیاری پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ "جی؟---- ہاں، میں یہ کہہ رہا تھا کہ----" اُس نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر دکان میں شور کرتے ہُوئے چند لوگوں کو چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ "میں کہہ رہا تھا کہ ایسا نہ ہو آخری وقت پہ دغا ہو جائے---- ہاہاہا---- نہیں میرا یہ مطلب نہیں۔ دغا ہماری طرف سے بھی ہو سکتا ہے، یعنی اگر آپ، جی؟---- اگر آپ تین گھنٹے کے نوٹس پر چار دیگنوں، دس ریٹروں اَور پانچ سو جھنڈوں اَور بینروں کا مطالبہ کریں گے تو ہم کہاں سے پیدا کر کے دیں گے؟ اِسی طرح ہماری کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ بندے جلسے پر بھیجیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اگر وقت پر ہمیں آپ کی طرف سے عندیہ نہیں ملتا کہ آپ کتنے آدمی دے رہے ہیں تو ہمیں کیسے اطمینان ہو گا؟ جی؟---- آپ کی آواز نہیں آ رہی، ذرا مُنہ ریسیور کے اُوپر رکھ کر بولیں، ہاہاہا، ہاں اب ٹھیک ہے، میں کہہ رہا تھا کہ اِس جلسے کو کامیاب کرانا ہمارا فرض ہے۔ یہ جلسہ ہنے یا بنّے والا معاملہ ہے، سمجھ گئے ناء؟ کوئی کسر نہیں رہنی چاہئے---- ٹھیک، تو طے ہو گیا کہ کل صبح تک ساری انفرمیشن کا تبادلہ ہو جائے۔ آپ کو علم ہے کہ آپوزیشن کتنی ہے۔ جی؟---- ہاں ہاں، عوام تو ہمارے ساتھ ہیں، سڑکوں پر بھی نِکل آئے ہیں، مگر یہ نہ بھولیں کہ ملک پر جن کا راج ہے بندوق ابھی تک اُن کے ہاتھ میں ہے۔ آپ نے دیکھا ہی ہے کہ پچھلے دنوں کیا ہُوا---- ہاں ہاں، میں سمجھتا ہوں، مگر ابھی ہمیں اِن باتوں میں نہیں پڑنا چاہئے، جو کام ہمارے ذِمے ہے وہ کریں، جو آج کا کام ہے وہ آج اَور جو کل کا ہے وہ کل کریں۔ باقی جو بڑی سیاست ہے وہ بڑے لیڈروں پر چھوڑ دیں، وہ اُوپر بیٹھے ہیں، اُنہیں پتا ہے کہ کیا کرنا ہے، اَور سب سے اُوپر خُدا ہے، سارے کا سارا کام اُسی پر منحصر ہے۔ بس ہم اپنا فرض پورا کر لیں تو سمجھ لیجئے کہ ایک اینٹ رکھی گئی، اِسی طرح ایک ایک اینٹ سے مسجد تیار ہو جائے گی۔ فکر نہ کریں۔ جی؟---- بھئی وہ میں نے بہت کوشش کی ہے---- کیا کہا؟---- جی میں نے شہر کے ایک ایک کالج میں پتا کیا ہے۔ دراصل آپ نے بہت دیر کر دی۔ یہ تو کوئی کام ہی نہیں تھا۔ اِس وقت حالت یہ ہے کہ اوےلیبل سیٹوں سے کہیں زیادہ داخلے ہو چکے ہیں، کوئی کسی جرنیل کا آ گیا تو کوئی کرنیل کا، کوئی افسر اَور کوئی کسی نام نہاد وزیر کا۔ اب تو سچوایشن یہ ہے کہ، کیا کہتے ہیں، میز کے نیچے گھس کر ہاتھ ماریں تو بھی داخلے کا رستہ نہیں ملتا۔ کالجوں کے دفتریوں سے لے کر پرنسپلوں تک رو رہے ہیں۔ اپنی نوکریاں بچانے کی فکر میں ہیں۔ کوئی بات نہیں، اپنی حکومت آنے دیں، سب کام ٹھیک ہو جائیں گے---- جی؟ کیا کہا، ہینڈی کیپ؟---- مُجھے تو اس کا کوئی علم نہیں----"

اعجاز کا اسسٹنٹ منظور ہاتھ ہلا ہلا کر اُسے اپنی جانب متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "چوہدری صاحب،" اعجاز نے فون میں کہا، "ایک منٹ ذرا ہولڈ کریں۔" اُس نے ریسیور پر ہاتھ رکھ کر منظور سے پوچھا، "کیا بات ہے؟"

"میں آپ کو بتانا بھول گیا،" منظور بولا، "ایک اَور رستہ ہے، اگر کامیاب ہو جائے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو۔"

"کیا ہے؟"

"ہینڈی کیپ لوگوں کے لِئے سیٹیں الگ مخصوص ہیں۔"

"یہ لڑکا ہینڈی کیپ ہے؟"

"ہے تو نہیں۔"

"پھر؟" اعجاز نے پوچھا۔

"میرے خیال میں کچُھ نہ کچُھ کیا جا سکتا ہے۔"

"آخر کیسے؟ صاف صاف بولو، وقت ضائع کر رہے ہو۔ چوہدری اِنتصار نے ہولڈ کیا ہُوا ہے۔"

"لڑکے کو ہینڈی کیپ بنا کر پیش کر دیا جائے۔"

"کیسے بناؤ گے؟"

"آپ چوہدری اِنتصار سے دور چار منٹ کی مہلت لے لیں، میں ایکسپلین کرتا ہوں۔"

اعجاز لاعلمی سے آنکھیں پھاڑے منظور کو دیکھتا رہا۔ پھر جلدی سے ریسیور نگا کر کے بولا، "چوہدری صاحب، میں چند مِنٹ میں آپ کو فون کرتا ہُوں۔ ضروری کام آ گیا ہے۔ جی؟ ابھی کرتا ہُوں۔" اُس نے ٹیلیفون بند کر دیا۔ "یہ کیا چکر چلایا ہُوا ہے منظور۔ کیا سٹوری ہے؟"

"ملک جی چوہدری اِنتصار نے ہمیں کبھی کوئی کام نہیں کہا۔ میں نے سوچا اُس کا بھتیجا ہے، کوئی نہ کوئی شکل نکالنی چاہیئے۔ اِدھر اُدھر سے پتا کیا تو ہینڈی کیپ والا اینگل ملا۔"

"چوہدری اِنتصار کو تو نے بتایا ہے؟" اعجاز نے پوچھا۔

"کل شام کو اُن کا پیغام آیا تھا۔ میں نے تجویز کیا اِس اینگل پر کام کرتے ہیں، ہو سکتا ہے کامیابی ہو جائے۔ آج سویرے کا آ کر بیٹھا ہے۔ میں اُس کو ٹریننگ دے رہا ہوں۔"

"ٹریننگ؟ کِس چیز کی ٹریننگ؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ابھی آپ کو دِکھاتا ہوں،" منظور نے مُسکرا کر کہا۔ اُس نے آواز دی، "رمضو، لڑکے رشید کو اَندر بھیج۔"

ایک پندرہ سولہ سالہ لڑکا معمولی سے سفید کپڑے پہنے ہُوئے اَندر داخل ہوا۔

"چل او شیدے،" منظور نے اُس سے کہا، "ذرا ملک صاحب کو اپنا لنگ دکھا۔"

لڑکا، جو سیدھی ہی چال سے چلتا ہُوا اَندر آیا تھا، مڑا اور لنگڑا کر چلتا ہوا دروازے تک گیا۔ "لڑکا ذہین ہے ملک جی، دو گھنٹے میں سیکھ گیا ہے۔"

"سیکھ کہاں گیا ہے،" اعجاز بولا، "میں بھی دیکھ سکتا ہوں کہ جعلی ہے۔"

"ذرا شرما رہا ہے، اَور کوئی بات نہیں،" منظور نے کہا۔ پھر وہ لڑکے پر چیخا۔ "اوئے، گانڈ ہلا کے چل نامراد، تیرا لنگ پیر سے لے کر چتڑ تک جانا چاہئے۔ گانڈ ہلا جیسے باہر ہلا رہا تھا۔"

لڑکا اپنی ٹانگ کو مزید جھوک دے کر، چوتڑ مروڑ مروڑ کر چلنے لگا۔

"ایسے اے اے۔۔۔۔" منظور بولا، "دُرست ہو رہا ہے، بس تھوڑی کسر رہ گئی ہے۔ اَور کوشش کر، اَور۔۔۔۔ اَور۔۔۔۔"

اب لڑکے نے ایسی چال چلی کہ کمر سے لے کر کندھوں اَور سر تک اُس کا سارا بدن تھرتھرانے اَور دائیں بائیں ڈولنے لگا۔ یہ منظر ایسا خوفناک تھا کہ اعجاز کچھ دیر تک ہکا بکا دیکھتا رہا، پھر ہنسے بغیر نہ رہ سکا۔

"اِدھر آ اوئے،" منظور نے لڑکے کو پاس بلایا۔ "بوٹ اُتار کے دِکھا۔"

لڑکے کا لنگڑے پیر والا جوتا اعجاز کو دکھاتے ہُوئے منظور بولا، "یہ دیکھیں، موچی سے درست کروایا ہے۔"

موچی نے "درستگی" یوں کی تھی کہ ہتھوڑے مار مار کر بائیں جانب سے جوتے کو پیس کے رکھ دیا تھا، جس سے اُس طرف کے ٹانکے کھل چکے تھے۔

"اِس جگہ پر،" منظور نے انگلی رکھ کر بتایا، "سارے بدن کا بوجھ پڑتا ہے۔ جب یہ شلوار کا پائنچہ اُٹھا کے دِکھائے گا تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ معذوری کی وجہ سے بوٹ کی شکل بگڑ گئی ہے۔ یعنی کہ میری سکیم کے اَندر،" وہ فخر سے بولا، "معذوری اَور یہ بوٹ لازم و ملزوم ہیں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے،" اعجاز بے صبری سے ہاتھ ہلا کر بولا، "مگر لڑکا ساری عمر تو یہ تماشا جاری نہیں رکھ سکتا۔ ایک نہ ایک دِن پتا چل ہی جائے گا۔"

"ملک جی آپ بھی کبھی کبھی بھولے بادشاہوں والی بات کرتے ہیں،" منظور نے کہا، "ایک دفعہ داخلہ ہو گیا تو ہو گیا، پھر کون پوچھتا ہے۔" اُس نے لڑکے کو ٹوٹا ہُوا بوٹ پکڑایا۔ "پہن لے، اَور باہر جا کے بیٹھ۔"

"میں رقعہ لکھ دیتا ہوں،" اعجاز نے کہا، "کل صبح اِسے ریلوے روڈ والے کالج میں چوہدری غلام رسول کے پاس لے جانا۔ وہاں سے فارغ ہو کر چوہدری اِنتصار کے پاس چلے جانا اَور سارے کوائف نوٹ کر کے لے آنا۔"

"بس ٹھیک ہے جی۔ میرا دِل کہتا ہے لڑکے کا داخلہ ہو جائے گا۔ چوہدری اِنتصار کا کام ہو گیا تو ہماری واہ واہ ہو جائے گی۔ آٹھ نو سو کی رائیں برادری چوہدری اِنتصار کی مٹھی میں ہے۔" پھر وہ راز دارانہ اَنداز میں مُنہ آگے کر کے نیچی آواز میں بولا، "بڑی بڑی کڑاکے دار لڑکی ہے اُس برادری میں۔ اَیسا میلہ لگے کہ شہر میں دھوم مچ جائے گی۔ اَور اِس شہر میں جلسہ کامیاب ہو گیا تو سمجھ لیں کہ سارے ملک میں ہو گیا۔"

اعجاز، منظور اَور اُن کے دو اَور آدمی فوٹو گرافر کی دُکان سے اُٹھ کر اپنے دفتر میں جا بیٹھے۔ دفتر کے برآمدے میں لڑکا بیٹھا تھا۔

"شیدے،" منظور نے اَندر جاتے ہُوئے اُس سے کہا، "چل اُس گراؤنڈ میں جا کر مشق کر۔ گھر جانے سے پہلے تیرا ایک اَور ٹیسٹ ہو گا۔"

دفتر کے اَندر زمین پر دری بچھی تھی جس پہ سات آٹھ آدمی بیٹھے تھے۔ ایک دیوار کے ساتھ لکڑی کا بنچ پڑا تھا، جس پر تین آدمی بیٹھے تھے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی سی، درازوں والی میز اَور دو کرسیاں تھیں۔ اعجاز اَور منظور جا کر کرسیوں پہ بیٹھ گئے۔ بنچ پر سے ایک آدمی اٹھا اور منظور کی کرسی سے لگ کر زمین پر پاؤں کے بل بیٹھ گیا۔ اُس نے منظور کے کندھے کو چھو کر اُسے اپنی جانب متوجہ کیا اور اُس کے کان مین کوئی بات کی۔

"اچھا اچھا" منظور نے سر ہلا کر ہولے سے جواب دیا۔ "کرتا ہُوں۔ صبر کر۔"

اعجاز کی کرسی کو چار آدمی گھیرے کھڑے تھے۔ دو اپنے مسئلے بیان کر رہے تھے، اَور دو کو اعجاز جلسے کے انتظام کے بارے میں ہدایات دے رہا تھا۔ چاروں ایک ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بول رہے تھے۔ اعجاز ایک کے ساتھ بات کرتا تو دُوسرا بیچ میں بول پڑتا۔ جب بات آگے بڑھتی دکھائی نہ دی تو اعجاز نے غصے میں آکر اونچی آواز سے سب کو چپ کرایا۔

"ایک ایک کرکے بولو، ایک ایک کرکے۔ قطار بناؤ۔ چلو۔ تُم دو آگے،" اُس نے ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا، "تم دو پیچھے۔ چلو چلو۔ تُم نے سُنا نہیں۔ قطار بناؤ۔ اَور ایک ایک کرکے بات کرو۔۔۔۔"

بیس پچیس منٹ میں اعجاز نے اُنہیں فارغ کر دیا۔ "چلو اب جاؤ۔ تُم کو جو بتایا گیا ہے اُس پر عمل کرو۔ چلو اب جاؤ۔ جاؤ جاؤ۔ میرا سارا دِن تُمہارے لِئے وقف نہیں ہے۔ کِسی اَور کا کام بھی ہونے دو۔ یہ دیکھو،" اُس نے دری پر بیٹھے ہُوئے لوگوں کی جانب اشارہ کیا، "یہ صبح سے بیٹھے ہُوئے ہیں۔ تُمہارا کیا خیال ہے سیر کرنے آئے ہیں؟ اِن کے بھی ضروری کام ہیں۔ چلو نکلو یہاں سے، کِسی اَور کی باری بھی آنے دو۔۔۔۔"

اُن چاروں کے جاتے ہی دو تین آدمی دری سے اُٹھ کر آگے بڑھے۔ مگر اِس سے پہلے کہ وہ اعجاز تک پہنچ پاتے، منظور نے اپنی کرسی آگے کھسکائی۔

"ملک جی،" وہ اعجاز کی جانب جھک کر بولا، "اِس غریب کا کام اٹکا ہُوا ہے۔"

"کیا ہے؟" اعجاز نے تھکے ہُوئے ماتھے پر ہاتھ پھیر کر پوچھا۔

"پیر کے دِن میں نے آپ سے بات کی تھی۔"

"پیر کے دِن! پیر کو کتنے دِن گزر گئے ہیں، ایک، دو، تین، چار، پانچ۔ اِن پانچ دنوں میں کتنے معاملے ہو گئے ہیں۔ مُجھے کوئی یاد رہتے ہیں؟ تُم بھی عجیب آدمی ہو۔ قصہ بتاؤ کیا ہے؟"

"وہ صابر اینڈ سنز والا معاملہ ہے۔"

"تفصیل کیا ہے۔"

"اِس غریب پر چوری کا الزام لگا کر نکال دیا ہے۔ ایک پیسہ نہیں دیا۔ پندرہ دِن کی تنخواہ، ایک مہینے کا بونس، سب کچُھ دینے سے اِنکاری ہیں۔"

"تیرا نام کیا ہے؟" اعجاز نے کڑی نظروں سے مزدُور کو دیکھتے ہُوئے پوچھا۔

"جی محمد رمضان،" وہ اُٹھ کر مستعدی سے میز کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"تو کِس الزام پر نِکالا ہے؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جی کام کرتے کرتے دو تین واشلیں غلطی سے جیب میں رہ گئی تھی۔ غلطی سے ذہن سے اُتر گئیں۔ گیٹ پر تلاشی ہُوئی تو چوری کا الزام لگا دیا۔"

"غلطی سے جیب میں رہ گئیں اَور غلطی سے ذہن سے اُتر گئیں، ہیں؟"

"جی بالکل۔ دو روپے کی چیز تھی جس کے بدلے میں میرا روزگار مار دیا۔"

"دو روپے کی چیز تھی، ہیں؟" اعجاز نے کہا۔ "اَور وہ چار سیر پیتل کا کیا قصہ ہے؟"

"جی کِس کا؟"

"تجھے پتا ہے کہ مَیں نے صابر اینڈ سنز کے مینجر سے بات کی تھی؟"

"جی نہیں،" رمضان گھبرا کر بولا۔

"تیرے تھیلے سے چار سیر پیتل نِکلا تھا، وہ کہاں سے آیا؟ تھیلا تیرے سائیکل سے بندھا ہُوا تھا۔"

"ملک جی، میرے سیکل کا تو کیریئل ہی نہیں ہے۔ باہر کھڑا ہے، آ کر دیکھ لو۔"

"اوئے کیریئل کی بات کون کر رہا ہے ہنڈل سے بندھا ہو گا یا تو نے چتروں میں پھنسایا ہو گا۔ تھیلا تو تیرا تھا ناء؟"

"نہیں جی، یہ ہی تو ساری بات ہے۔ اُس ماں کے کھسم مہاجے نے مجھے گیٹ پر تھیلا پکڑایا تھا، پھر وہ مکر گیا۔ انتظامیہ کی یونین کا آدمی ہے، رلا ملا ہُوا ہے۔ ساری کارستانی مینجر کی ہے۔ میرے اُوپر دباؤ ڈال رہا ہے۔"

"کس بات کا دباؤ؟ تیرے سے رِشتہ مانگتا ہے؟"

"کہتا ہے اپنی یونین کا کام چھوڑ دو، ہماری یونین میں شامل ہو جاؤ۔"

"بکواس مت کر،" اعجاز سختی سے بولا، "جو بدمعاشی کرتے ہو یونین کے سر ڈال دیتے ہو۔"

"میرے اُوپر ترس کرو ملک جی۔ آپ مائی باپ ہیں۔ میری تو روٹی بھی بند ہو گئی ہے۔"

"وہ کہتے ہیں قرآن کی قسم دے کہ تھیلا اِس کا نہیں تھا،" منظور بولا۔

"تو قسم دے دے،" اعجاز نے کہا۔

"جی خُدا کا خوف مجھے مار رہا ہے،" رمضان نے کہا، "میری چھوٹی چھوٹی چھ بچیاں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ قرآن کی قسم کیسے دوں۔"

"ایک طریقہ ہے ملک جی،" منظور نے منت کرتے ہو کہا۔ "خُدا ترسی کریں، میں اِسے جانتا ہوں۔ اِس کے گھر میں چولہا بھی سرد ہو گیا ہے۔"

"کیا طریقہ ہے؟"

"کوئی کتاب لپیٹ کے لے جائیں۔ اُس پر قسم دے دے گا۔"

"کونسی کتاب؟" اعجاز نے حیرت سے پوچھا۔

"کوئی بھی کتاب ہو۔ آپ لے کر ساتھ چلے جائیں تو کِس کی جُرأت ہے آپ کی بات پر اعتبار نہ کرے۔ نہ کھول کے دیکھیں گے، نہ پتا چلے گا۔"

اعجاز چہرے پہ سخت حیرتناک تاثر لِئے اُنہیں دیکھتا رہا۔ رمضان نے رونا شروع کر دیا تھا۔ وہ دروازے تک جاتا، زور شور سے ناک سِنکتا اور دیوار پہ ہاتھ صاف کرکے آنسو پونچھتا ہُوا واپس آتا۔

منظور نے ہاتھ بڑھا کر میز کا ایک دراز اَور اُس میں سے ایک درمیانے سائز کی کتاب نکالی جو سرخ کپڑے میں لپٹی ہُوئی تھی۔

"یہ تو پنجسورہ بھی نہیں دکھائی دیتا، بیوقوف،" اعجاز تلملا کر بولا۔ "کوئی بڑی کتاب لے کر آ۔ اَور کیا کِسی شادی میں لے کر جا رہے ہو جو سُرخ ریشمی کپڑے میں لپیٹی ہُوئی ہے؟ کوئی پاک قسم کا سبز غلاف لے کر آ۔"

تھوڑی ہی دیر میں منظور نے بھاگ دوڑ کرکے ایک موٹی سی بڑے سائز کی کتاب برآمد کی۔ اعجاز نے کھول کر دیکھی تو اُردو انگریزی کی ڈکشنری نِکلی۔ "اَور یہ غلاف،" منظور نے نیلے مخمل کا بڑا سا رومال پیش کیا، جو میز پوش دکھائی دیتا تھا۔

"تجھے ہرے رنگ کا کہا تھا،" اعجاز نے کہا۔

"وہ دستیاب نہیں ہوا۔ نیلا بھی چڑھایا جاتا ہے،" منظور تسلی سے بولا۔ "پاک رنگ ہے،" اُس نے نہایت تعظیم کے ساتھ ڈِکشنری لپیٹ کر دراز میں رکھ دی۔

"ایک شرط پر میں جاؤں گا" اعجاز اپنے آپ پہ قابو پا کر بولا، "کہ قرآن کا لفظ ساری گفتگو میں نہ آئے۔"

"اِس کی آپ فکر نہ کریں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیسے فکر نہ کروں۔ اِس بئی مان کا گناہ اپنے سر لوں؟"

"میں آپ کو شورٹی دیتا ہوں کہ سارا کام بچاواں ہو گا۔"

"کیسے ہو گا، ذرا سمجھاؤ۔"

"فقط قسم کا لفظ بیچ میں آئے گا۔ میں کتاب اُٹھا کر آپ کے اَور رمضان کے ساتھ جاؤں گا اَور اُن سے کہوں گا، آپ لوگوں نے قسم کی شرط لگائی ہے۔ ملک صاحب چل کر یہاں آئے ہیں تا کہ اپنے سامنے شرط پوری کروائیں۔ یہ لیجئے۔ میں کتاب آپ کے ہاتھ میں پکڑا دوں گا۔ اپ تعظیم سے اِسے چوم کر میز پر رکھ دیں۔ رمضان اِس کے اُوپر ہاتھ رکھ کر کہے گا، میں خُدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ تھیلا میرا نہیں۔۔۔۔"

"مہاجے کتی کے بچے کا تھا،" رمضان بیچ میں بول پڑا۔

"اوئے چپ کر،" منظور نے سختی سے اُسے جھڑکا اور اپنی بات جاری رکھی، "کہ تھیلا مہاجے کتی کے۔۔۔۔ او خُدا خوار کرے تجھ کو،" منظور نے ماتھا پیٹ لیا، "میرے ذہن سے بات ہی اُتار دی، دفعہ ہو جا، دور ہو جا میری نظروں سے بنچ پر جا کر بیٹھ، مُنہ بند کر، تیرے ہونٹ سی دوں گا، بند کر، زور سے بند کر، اَور زور سے۔" جب رمضان نے بنچ پر بیٹھ کر اپنے ہونٹ بھینچ کر بند کر لیے تو منظور نے اِبتداء سے شروع کیا۔ "آپ تعظیم سے اسے چوم کر میز پر رکھ دیں۔ رمضان اِس پر ہاتھ رکھ کر کہے گا، میں خُدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں کہ تھیلا میرا نہیں تھا، میں چوری کا قصوروار نہیں ہُوں۔ بس۔ قصہ ختم۔ مجال کیا کہ آپ کی موجودگی میں کوئی کِسی قسم کا اعتراض کرے۔"

اعجاز چند لمحوں تک حیرت اَور بے بسی سے منظور کو دیکھتا رہا، پھر کوئی لفظ کہے بغیر دھیان ہٹا کر تین دُوسرے آدمیوں کی جانب متوجہ ہو گیا جو کھڑے انتظار کر رہے تھے۔

"چل او رمضو، باہر بیٹھ،" منظور نے کہا، "ابھی فارغ ہو کر چلتے ہیں۔ اَور اب شوں شوں بند کر۔ چل نِکل۔"

رات ہو چکی تھی جب اعجاز گھر پہنچا۔ سکینہ ابھی تک اُس کے اِنتظار میں پیڑھی پہ بیٹھی، دیوار سے کمر ٹیکے اُونگھ رہی تھی۔ اعجاز کے ہاتھ میں ایک فائل تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی سکینہ کو یوں لگا جیسے اپنا غصہ اُس نے اِسی لحظے کے لِئے سنبھال کر رکھا ہو۔

"تھک ٹوٹ کے آتے ہو۔ پھر کاغذ بھی ساتھ اُٹھا لاتے ہو۔ نہ گھر کا خیال نہ باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا۔"

"میں سو دفعہ کہہ چُکا ہوں کھانا کھا کر سو جایا کر،" اعجاز نے کہا، "میرے انتظار میں بیٹھی نہ رہا کر۔"

"پھر گھر آنے کی کیا ضرورت ہے۔ اُدھر ہی سو جایا کرو۔"

"تُو تو بیوقوف عورت ہے۔ بتایا بھی ہے کہ الیکشن آ رہے ہیں۔ جلسوں کا انتظام کرنا ہے، وقت لگ جاتا ہے۔ یہ موقع گزر گیا تو زندگی پھر اپنے ڈھرے پہ آ جائے گی، تُو تو سمجھتی ہی نہیں۔ لڑکے سو گئے ہیں؟"

"ہاں۔ کھانا پڑا پڑا ٹھنڈا ہو گیا ہے۔"

"تو کیا حرج ہے۔ دوپہر کو تُو دفتر میں تو نہیں بیٹھی ہوتی، میں وہاں پر ہی کھاتا ہوں، جو بھی مل جاتا ہے کھا لیتا ہُوں۔ ٹھنڈے کھانے سے، کم کھانے سے، تھوڑا بہت فاقہ کرنے سے آدمی نہیں مرتا۔ ڈیرے والے کھانا لے گئے ہیں؟"

"ہاں،" سکینہ نے کہا۔ "آج بھی مال اُٹھانے کوئی نہیں آیا۔"

"کیوں؟"

"مجھے کیا خبر؟ گل افروز کہہ رہا تھا منڈی میں مال پڑا ہے، بولی نہیں لگ رہی۔"

اعجاز اُس کے سامنے پیڑھی پر بیٹھ کر خاموشی سے کھانا کھانے لگا۔

سکینہ پھر بولی، "دو تین مہینے ہو گئے ہیں، کاروبار نیچے ہی نیچے جا رہا ہے۔"

"اَور لوگ جو اِس کام میں داخل ہو گئے ہیں،" اعجاز روٹی چباتے ہُوئے بولا۔ "منڈی کا بھی کچھ پتا نہیں ہوتا۔ کبھی اُوپر، کبھی نیچے۔"

"تُمہیں فرصت ملے تو اِس طرف دھیان دو۔ لڑکے جوان ہو رہے ہیں، اُن کی تجھے کوئی خبر نہیں۔ پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ فیل ہو گئے تو پھر تُمہاری آنکھ کھلے گی۔"

"فیل نہیں ہوتے۔ تُو خواہ مخواہ فکر کرتی ہے۔ ہماری حکومت آنے والی ہے، سب کام ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"اللہ ماری حکومت کے آنے سے لڑکے کیا پاس ہو جائیں گے؟ حکومت کیا کرتی ہے۔ ہم نے تو کبھی حکومت کی شکل نہیں دیکھی۔ وہی پٹواری، ضلعدار، تھانیدار۔ ملک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جھنگیر پہلے بھی کھاتا تھا، اب بھی کھاتا پیتا ہے۔"

"سب کام دُرست ہو جائیں گے،" اعجاز نے کھانا ختم کر کے اُٹھتے ہُوئے کہا۔

"آج پھر کاغذ لے کر آدھی رات تک بیٹھے رہو گے؟" سکینہ نے کہا۔ "منہ پر دانت اَور آنکھیں نِکل آئی ہیں، کبھی اَپنی شکل دیکھی ہے؟"

"دیکھتا ہوں،" اعجاز ہنس کر بولا۔ "روز دیکھتا ہُوں۔ جا کر سو جا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر کی بات ہے۔ یہ مُلک،۔۔۔۔" وہ بات کرتے کرتے رُک گیا۔ اُس کا رخ صحن میں بنے ہُوئے کمرے کی جانب تھا۔ کمرے میں میز پہ ایک پتلی سی لمبی چمنی والا لیمپ رکھا تھا جسے جلا کر اعجاز رات کے کھانے کے بعد دِن بھر کے بقایا کاغذات دیکھتا، اگلے روز کے لِئے یاداشتوں کے نوٹ لکھتا، یا اَپنی تقریریں تیار کرتا تھا۔ "ہمارا یہ ملک،" وہ جاتے جاتے بولا، "جو ہاتھ سے نِکل گیا تھا، اب واپس ہمارے قبضے مَیں آنے والا ہے۔ بس تھوڑی دیر کی بات ہے۔۔۔۔"

آخری اَلفاظ اعجاز نے اس طرح اَدا کئے جیسے اَپنے آپ سے، یا باہر سوئی جاگتی ہُوئی ساری غیر حاضر دُنیا سے مخاطب ہو۔ سکینہ اُس کی اِس تھکی ہُوئی پُراُمید آواز سے خُوب واقف تھی جِس میں اُس کے جذبے، اُس کے جنون اَور سب سے اُوپر اُس کے اکلوتے پن کی صدا تھی۔ جَب وہ باورچی خانے سے نِکل کر گیا تو سکینہ کتنی ہی دیر تک خالی دروازے پہ آنکھیں جمائے بیٹھی رہی، جیسے اعجاز کے چھوڑے ہُوئے خلاء کی شکل کو نظروں سے ٹٹول رہی ہو۔ اُس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا، کہ کتنا ہی عرصہ ہو گیا ہے جو اعجاز اُس کے ساتھ چمٹ کر نہیں سویا۔ اُسے محسُوس ہوا کہ ایک پُوری زندگی گزُر چکی ہے، کہ جیسے ایک موت واقع ہُوئی ہو اَور ایک نئی شکل میں، نئی تار و پود کے ساتھ، ایک نئی عمر شرُوع ہُوئی ہو۔ سکینہ کے چہرے پہ اُس گزُری ہُوئی عمر کا تاسف پھیلا تھا۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے ایک لمبی سانس لی اَور برتن سمیٹنے شرُوع کر دیئے۔

صحن والے کمرے میں اعجاز لیمپ جلا کر کرسی پہ بیٹھا، سامنے کھُلی ہُوئی فائل پہ ذہن جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر آج اُس کے دماغ میں اِتنی بہت ساری باتیں اکٹھی ہو گئی تھیں کہ کسی ایک بات پہ دھیان نہ بیٹھتا تھا۔ آخر اُس نے فائل کو ٹھپ سے بند کر دیا، اَور سَر ہاتھوں پہ ٹکا کر بیٹھ گیا۔ "منڈی میں مال پڑا ہے۔ بولی نہیں لگ رہی۔" سکینہ